اور یہ ہے قومی خزانہ کے ملک کی ملکیت اور امانت ہونے کی صحیح تصویر۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ لوگوں سے یوں خطاب فرمایا:

لکم علیّ ایھا الناس خصال فخذونی بھا۔ لکم علیّ ان لا اُجتبی شیئاً من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ۔ ولکم علیّ اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منّی الا فی حقہ۔ ولکم علیّ ان ازید فی اعطیاتکم وا سدّ ثغورکم۔ ولکم علیّ ان لا القیکم فی المھالک (کتاب الخراج صفحہ ۶)

"لوگو! مجھ پر آپ لوگوں کے کچھ حقوق ہیں جن کا تم مجھ سے مواخذہ کر سکتے ہو۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طریقے سے نہ جمع کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے پاس خراج اور غنیمت آئے تو بے جا صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ میں تمھارے روزینے بڑھاؤں اور تمھاری سرحدوں کو مضبوط کر دوں اور ایک یہ کہ تم کو خطرات میں نہ ڈالوں۔"

۴۔ اصولِ حکومت "مشورہ" ہو

اور قوت و حکم وارادہ افراد کی اکثریت کو ہو۔ نہ کہ ذات و شخص کو۔ اس دفعہ پر مفصل بحث حصہ دوم میں گزر چکی ہے۔

۵۔ حریت رائے و خیال

اور مطبوعات (پریس) کی آزادی اسی کے تحت میں ہے۔

آزادی اظہار رائے۔ یہ آزادی اگر معقول حدود میں ہو تو مثبت نتائج پیدا کرتی ہے اور اگر یہ آزادی بے لگام و بے مہار ہو تو ہزاروں فتنے پیدا کر کے مملکت کی سرحدوں کو کمزور کرتی رہتی ہے۔ یہ جمہوریت نوازوں کی کمزوری ہے کہ استبداد (خود رائے) کے مقابلہ میں انھوں نے لامحدود آزادی اظہار رائے کر دیا۔ لیکن وقتاً فوقتاً حکومتوں کو اس لامحدود آزادی کو مختلف پابندیوں اور اخلاقی ضابطوں سے محدود کرنا پڑتا ہے۔

یہ اسی بے لگام آزادی کے کرشمے ہیں کہ کہیں اسلام مردہ باد اور شوشلزم زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ کہیں قرآن کریم کو ایک فرسودہ کتاب قرار دیا جاتا ہے اور کہیں جلا

بھی دیا جاتا ہے۔ کہیں مسلمانوں کا منشور آزادی (خطبہ حجۃ الوداع) ضبط کیا جاتا ہے۔ سرخ انقلاب اور انتقام کے برسرِ عام نعرے لگائے جاتے ہیں اور کہیں علاقائی اور لسانی تعصب کو ہوا دے کر نظریہ پاکستان اور اسلام کی بیخ کنی کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ جمہوریت میں اس لیے گوارا کر لیا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ہی لادینیت پر ہے اور آزادی رائے پر بے لگام ہے۔

اسلام نے اس آزادی رائے کو جائز اور لازم قرار دیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ خلفائے راشدین کے دور میں ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پورا پورا حق حاصل تھا جسے وہ اپنا دینی فریضہ تصور کرتا تھا۔ تاکہ عوام کو ان کے جائز حقوق مل سکیں اور تاکہ ملک میں برائی کا استیصال اور نیکی کی حوصلہ افزائی ہو۔ یہاں یہ حق کسی خاص جماعت —— حزبِ اختلاف —— کو نہیں کہ وہ حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرے اور اس کے اچھے کام کی بھی مذمت کرتی رہے۔

خلفائے راشدین خود اس جذبۂ تنقید کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں یوں فرمایا تھا: "میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں تم سے بہتر نہیں۔ لہٰذا اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔"

اور حضرت عمرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں یوں فرمایا۔ "میں اس شخص کو زیادہ پسند کروں گا جو مجھے میرے عیبوں اور کمزوریوں پر آگاہ کرے۔" اور بارہا ایسا ہوا کہ آپ کو برسرِ عام ٹوکا گیا۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسے موقعوں پر کیا رویہ اختیار کیا۔

ایک دفعہ آپ تقریر میں لوگوں کو ہدایت فرما رہے تھے کہ "حق مہر زیادہ مقرر نہ کیے جائیں اور اس کی حد چار سو درہم تک ہونی چاہیے۔"

یہ معاملہ عورتوں کے حقوق سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک عورت اٹھی اور کہنے لگی۔ "تم یہ پابندی کیسے لگا سکتے ہو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا

اگرچہ تم ان عورتوں میں سے کسی ایک کو خزانہ بھر بھی (بطور حق مہر) دے چکے ہو۔

یہ بات سن کر حضرت عمرؓ بے ساختہ پکار اٹھے۔ "پروردگار مجھے معاف فرما۔ ہر شخص عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہے۔ پھر منبر پر چڑھے اور کہا: لوگو! میں نے تمھیں چار سو درہم سے زیادہ حق مہر دینے سے روکا تھا۔ میں اپنی رائے سے رجوع کرتا ہوں۔ تم میں سے جو جتنا پسند کرے۔

مہر ہی دے۔

ایک دفعہ آپ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک صحابی نے آپ کی ذات پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے جو قمیص پہن رکھی ہے یہ انھیں چادروں کی ہے جو مال غنیمت میں ہر ایک حصہ میں ایک ایک چادر آئی ہے۔ ایک چادر سے اتنی لمبی قمیص نہیں بن سکتی۔ آپ کی کیسے بن گئی۔ پہلے اس بات کا جواب دیجیے تب ہم آپ کی بات سنیں گے۔

یہ بات حقیقتاً حضرت عمرؓ پر بیت المال میں خیانت کا الزام تھا۔ آپ برافروختہ نہیں ہوئے۔ اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے حصہ کی چادر بھی اپنے والد کو دے دی۔ تب یہ قمیص تیار ہوئی۔

اس پر معترض نے اٹھ کر کہا۔ ہاں۔ اب فرمائیے۔ ہم آپ کی بات بھی سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔

ایک دفعہ آپ بازار میں جا رہے تھے۔ جارود عبدی ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک خاتون نے سلام کیا اور تند و تیز لہجہ میں کہنے لگی "عمرؓ! تم پر افسوس ہے۔ میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب تم عمیر کہلاتے اور بازار عکاظ میں نوجوانوں سے کشتی لڑا کرتے تھے۔ پھر تھوڑے ہی دن گزرے کہ عمر کہلانے لگے اور اب کچھ دنوں سے امیر المومنین بنے پھرتے ہو۔ سنو! رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو......"!

بڑھیا کی یہ بات سن کر جارود عبدی نے کہا "خاتون! آپ نے امیر المومنین پر بہت زیادتی کی" یہ حضرت عمرؓ کہنے لگے "انھیں کہنے دو۔ شاید تمھیں معلوم نہیں یہ عبادہ بن صامت کی اہلیہ خولہ بنت حکیم ہیں۔ جن کی بات سات آسمانوں پر سنی گئی تھی۔ عمر کو تو بدرجہ اولیٰ سننا چاہیے"!

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے کہا "اتق اللہ یا عمر!" یعنی اے عمر! خدا سے ڈر۔" مجمع میں سے کسی نے اسے روکا اور کہا۔ "اب بس بھی کرو۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں۔ اگر ہم نہ مانیں تو ہم۔"

عوامی شکایات اور عمال سے احتساب

یہ تو خلفاء پر تنقید کی بات تھی۔ اب دیکھیے آپ کے عمال سے کیسے مواخذہ ہوتا تھا۔

آپ جب کوئی عامل مقرر کرتے تو اسے پروانہ تقرری ملتا تھا جس میں اس کے اختیارات درج

فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس عامل پر لازم تھا کہ وہ وہاں پہنچ کر مجمع عام میں یہ مکتوب سنائے تاکہ عوام اس کے جائز اختیارات سے آگاہ ہوجائیں اور اگر وہ ان اختیارات کی حد سے آگے بڑھے تو اس پر مواخذہ کرسکیں۔ ان حقوق و اختیارات کو آپ نے بارہا مجمع عام میں خود بھی سنایا۔ عاملوں کے لیے یہ ہدایات ہوتی تھیں۔

"یاد رکھو! میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا۔ بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمھاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں نہ پڑیں اور ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔"

پھر عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور فخر و نمود ثابت ہو اور اس طرح کے چند واقعات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عمال سے احتساب کے تین طریقے درج تھے۔ پہلا یہ کہ لوگ اپنے عامل کے متعلق شکایات لکھ کر دارالخلافہ میں بھیج دیتے۔ ایسی صورتِ حال کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر رکھا تھا جو موقعہ پر جا کر تحقیقات کرتا تھا اور حسبِ ضرورت عامل کو مدینہ طلب کر لیا جاتا تھا۔

دوسرا یہ کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مختلف علاقوں کے وفود آکر حضرت عمرؓ سے ملاقات کرتے اور اپنے عاملوں کے متعلق شکایات کرتے۔

تیسرا یہ کہ آپ حج کے موقعہ پر سب عاملین کو وہاں بلا لیتے تھے اور منادی کرا دی جاتی تھی کہ جس شخص کو اپنے عامل سے کوئی شکایت ہو وہ بلا روک ٹوک پیش کرے۔

پھر ان شکایات کی پوری تحقیق کی جاتی اور الزام ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جاتی تھی اور بسا اوقات انھیں معزول کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عوامی حقوق کی نگہداشت اور عمال پر گرفت ہی کا یہ اثر تھا کہ عمال ہر وقت اپنے آپ کو یوں سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا ایک ہاتھ ان کے نچلے جبڑے پر ہے اور دوسرا اوپر کے جبڑے پر، جب کوئی بے اعتدالی ہوئی تو وہ انھیں چیر کے رکھ دیں گے۔

ایک دفعہ حسبِ معمول حج کے موقعہ پر تمام عمال حاضر تھے کہ ایک شخص نے اٹھ کر شکایت کی کہ آپ کے عامل (مصر کے گورنر عمرو بن عاص) نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔